Title - ILHAAM AUR WAHI ; QURAAN MAJEED AUR SAHEEH AHADEES SE ILHAAM AUR WAHI KI SACHCHI HAQEEQAT ZAHIR KI GAYEE HAI.

Creator - Mirza Hairat Dehelvi

Publisher - Karzan Press (Delhi).

Date - 1323 H

Pages - 39

Subjects - Islam - Mazameen ; Islam - Wahi ; Quraaniyaat.

الہام اور وحی

قرآن مجید اور صحیح احادیث سے الہام اور وحی کی سچی حقیقت

ظاہر کی گئی ہے
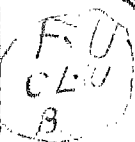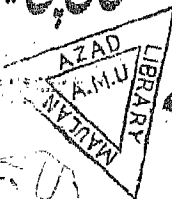
مصنفہ مرزا حیرت دہلوی

مطبوعہ کرزن پریس دہلی

سنہ ۱۳۲۳ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہام اور وحی

الہام اور وحی کی بحث جسقدر مفید اور ضروری ہے اسیقدر اہم اور پیچیدہ ہے مگر ہم اُسے ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کرینگے اور اس خاص مسئلہ کو اپنی بساط کے موافق حل کرینگے شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں اور اپنی تفسیر کے ناظرین کا حدتک اطمینان کرسکیں ٭

پہلے ہم الہام پر بحث کرتے ہیں جسپر اسلام کے ایک بڑے گروہ کا دارومدار ہے اکثر اولیاء اللہ کی حکایات خاص الہام کی نسبت بہت کچھ سنی جاتی ہیں جنمیں بیان ہوا ہے کہ انکی ہدایات کا اکثر حصہ اور ارشادات کا بڑا جزو الہام سے مملو ہوتا ہے عام طور پر لوگ یہ سمجھتے کہ بغیر وسیلہ فرشتہ جو چیز بے خیالی میں محض فطرتاً کسی خاص برگزیدہ بندہ کے دل میں خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہو اُسے الہام کہتے ہیں وہ برگزیدہ شخص اس الہام سے بڑے بڑے کام لیتا ہے چھپی ہوئی باتیں بعض اوقات بتا دیتا ہے اور لوگوں کے اُن سوالات کے جواب دیتا ہے جو اپنی کسی دنیاوی یا دینی ضرورت کے لئے کرتے ہیں اسی الہام نے اسلام میں اولیاء کرام کی مسلمانوں سے بیحد توقیر کرائی اور بعض معتقد تو اتنے بڑھ گئے کہ اُنہوں نے اپنے پیر کو اسلام میں ایک عجوبہ سمجھ لیا۔ اس الہام نے اگرچہ ایک حد تک بہت کارنمایاں کئے مگر بعض صورتوں میں اس کا اثر عوام جہلا کے لئے سم قاتل ہو گیا ایک تو وہ برگزیدہ گروہ ہے جن کی نسبت یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انہیں الہام ہوتا ہوگا اس گروہ نے کوئی بین خرابی اعتقادات اسلام میں پیدا نہیں کی۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے اپنے کو صاحب الہام محض دنیا طلبی

کے لیے بنایا اور خدا کی ہزارہا مخلوق کے دلوں میں شبے وسوسے اور خدشے قایم کر دیئے اور انہیں کہیں کا
بھی نہیں رکھا۔ آنکی بعینہٖ یہی مثل ہوئی "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے"
اب یہ دیکھنا چاہیے کہ الہام چیز کیا ہے یا بالفاظ دیگر الہام کسے کہتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ الہام کا
لفظ قرآن مجید میں صرف ایک جگہ آیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فالهمها فجورها وتقوٰها اس کے سوا
تمام قرآن مجید میں الہام کا لفظ ہی نہیں آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الہام کا ترجمہ تعلیم
کیا ہے مگر حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے الہام کا ترجمہ ڈالی یعنی انداخت کیا ہے اور حضرت شاہ عبد القادر
صاحب نے اسکا ترجمہ (سمجھ دی) کیا ہے۔ درحقیقت یہ سب ترجمے قابل یا المعنی ہیں۔

لھم اور الہام کے معنی دراصل نگلنا اور نگل جانے کے ہیں چنانچہ قاموس میں یہی معنے لکھے ہیں لہمہ
لہما وتلہمہ والتہمہ ابتلعہ بمرۃ یعنے ایک ہی دفعہ میں اسکو نگل گیا یہاں تک لغت کی تحقیق
ہوئی اب دیکھنا چاہیے کہ تفسیر کبیر میں ہمارے امام فخر الدین رازی کیا لکھتے ہیں۔ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں
دراصل الہام کے معنی عربوں کے اس قول سے پائے جاتے ہیں لہم الشیٔ والتہمہ اذا ابتلعہ والہمت
ذالک الشیٔ ای ابلعتہ یعنی جب کوئی شخص کسی شے کو نگل جائے تو کہتے ہیں لہم الشی یا کہتے ہیں
التہمہ، اور جب کوئی چیز کسی کو نگلا دی جائے تو کہتے ہیں الہمت ذالک الشی اس سے آگے امام صاحب
تحریر فرماتے ہیں یہ تو اصلی معنے ہیں پھر اس کا استعمال اسپر ہو گیا جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے کیونکہ
وہ بھی بمنزلہ نگلا دینے کے ہے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں ثم استعمال ذالک فیما یقذفہ اللہ تعالیٰ فی قلب
العبد لانہ کالابلاغ قاموس میں بھی اسی کے قریب لکھا ہے الہمت خیرا یعنی اللہ نے نیکی
سمجھائی۔ واحدی کا قول ہے التعلیم والتعریف والتبیین غیر والالہام ان یوقع اللہ
فی قلب العبد شیئا یعنے سکھانا اور بتانا اور بیان کرنا دوسری چیز ہے اور الہام دوسری چیز ہے
کیونکہ الہام وہ ہے جو اللہ کسی بندے کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔
حضرت امام غزالیؒ نے اپنی بینظیر کتاب "احیاء العلوم" میں الہام کی بابت بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جسکا
خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں "جو علم بدیہی نہیں اور دل میں کبھی کبھی آتے ہیں انکا
دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو وہ دل میں اس صورت سے آتے ہیں گویا بے خبری میں کسی نے دل میں ڈالدیا
کبھی بطریق تعلیم و استدلال کے حاصل ہوتے ہیں پس جو علم کہ بغیر اکتساب اور دلیل کے حاصل ہوتے ہیں

انہیں الہام کہتے ہیں اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں انہیں اعتبار اور استبصار بولتے ہیں پھر علم
اول کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بندے کو خبر نہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کسطرح حاصل ہوا اسکو تو
الہام اور نفث فی القلب کہتے ہیں اسکی خصوصیت اولیاء اور اصفیا کے لئے ہے دوسرے یہ کہ جس ذریعے سے
وہ علم حاصل ہو وہ بندیکو معلوم ہو جائے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے نظر آجائے اُسکو وحی کہتے ہیں اور
یہ انبیا کے لئے مخصوص ہے اور علم جو استدلال اور اکتساب سے ہوتا ہے وہ علماء کے لئے مخصوص ہے اور اصل یہ ہے کہ
خود قلب میں اس امر کی استعداد فطری طور پر ودیعت ہوئی ہے کہ امر حق معلوم ہو جائے مگر وہی پانچ وجہیں جن کا
ذکر اوپر ہو چکا ہے اُسے مانع ہوتی ہیں تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح کے بیچ میں حجاب ہو جاتی ہیں۔ لوح محفوظ
وہ ہے جسپر تمام شدنی امور قیامت تک کے منقوش ہیں۔ لوح محفوظ سے حقایق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا ایسا
کہ ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ کے محاذی میں معلوم ہوتا ہے اور جسطرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب
کبھی ہاتھ سے سرکا دیتے ہیں اور کبھی ہوا سے سرک جاتا ہے اسیطرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ
کے سامنے سے پردہ سرک جاتا ہے تو بعض چیزیں جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب
میں ہوتا ہے کہ اُس سے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر موقوف ہے کیونکہ موت کی
وجہ سے انکشاف تام حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اٹھتے ہی پردۂ غیب سے علوم کی عجیب
غریب باتیں دل پر منکشف ہو جاتی ہیں مگر یہ انکشاف بعض اوقات پے درپے ایک تک گزرتا رہتا ہے اور
اُس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے کہ الہام اور اکتساب میں نہ تو نفس علم میں فرق ہے نہ محل اور سبب میں بلکہ
اگر کوئی فرق ہے تو صرف حجاب کے زائل ہونیکا فرق ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وحی میں
وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دل میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی فرشتوں ہی کے ذریعے سے حاصل
ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او
یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء یعنی اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اُس سے باتیں کرے اللہ مگر
اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانیوالا بھیجے پھر جو چاہے حکم اُسے پہنچا دے۔ اب اس بات کا جاننا
ضروری ہے کہ اہل تصوف علوم الہام کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں مگر علوم تعلیمی کی طرف اُن کی توجہ مائل
نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ مصنفین زمانہ کی کتابیں نہیں دیکھتے اور نہ اُن سے بحث کرتے ہیں بلکہ اُن کا یہ قول
ہے کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علایق کو قطع کرکے بہمہ تن اپنی ہمت کو خدا تعالیٰ

وبدیگرے تمامی و بدیگرے جسم و بدیگرے جوہر و بلسان آخر ہست و باعتبار آن لسان ہم مجرم ہم محرم ہم
فرس ہم فیل و ہم غنم۔ تعلیم اسماء مر آدم را من بودم و آنچہ بر نوح طوفان شد بسبب نفرت او شدن ہم
و آنچہ بر ابراہیم گلزار گشت من بودم۔ توریت موسیٰ من بودم۔ احیاء عیسیٰ را من بودم۔ قرآن مصطفےٰ
من بودم۔ والحمد للہ رب العالمین ٭

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں "میں نے روح کی اور باری تعالیٰ کی حقیقت
کی طرف جو غیب کے پردوں میں بھی اُدھر سے توجہ کی تھی اُس کے حضور سے عجیب خطاب کیا گیا بہت سے
کہا گیا انسان کو واجب ہے کہ حضور میں اس کی توجہ اور استشراق لوگوں کی توجہ اور استشراق کے
مانند ہو۔ میں سمجھا کہ یہ اشارہ اجتہاد کی حقیقت کی طرف ہے" فقط

اس تمام بحث اور علماء کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الہام کیا چیز ہے اور آیا وہ خاص مسلمانوں ہی
سے تعلق رکھتا ہے یا غیر اسلام کو بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس مشکل مسئلہ کو ایک حد
سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے کام میں کامیاب ہوں ٭

الہام کی تعریف تو یہی ہے کہ ایسا خیال دل میں گذرے جس کا اُس سے پہلے کبھی شان و گمان بھی نہ ہوا
اس لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان خواہ وہ کسی مذہب ملت کا ہو ایسا نہیں ہے جس کے
دل پر ایسے ایسے خیالات نہ گذرتے ہوں جن کا اُسے پہلے وہم و گمان بھی نہ ہو اور اُسکے خیالات یا الہام ہمیشہ
اُس حد وسعت کے یکساں نہ ہوتے ہیں۔ انسان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکی قوت
متخیلہ ہر وقت اُس کے آگے نئے نئے اور اچھوتے عالم بنا کے کھڑے کر دیتی ہے لیکن یہ اچھوتے عالم خاص اُسی کے
مذاق سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک مصور کو ہمیشہ تصویر ہی کے متعلق الہام ہوگا اور ایک بادشاہ کا
الہام ہمیشہ امور سلطنت اور ملک گیری سے تعلق رکھیگا۔ اسیطرح ایک صوفی کا الہام ربانی مدارج کی
ترقی اور تنزل پر موقوف ہے۔ وعلیٰ ہذا ضمیر انسانی انسان کی بنائی اُسی پر کریگا جس پر وہ چل رہا ہے۔ ایک خستہ جگر
عاشق کے مجروح قلب پر جو الہام ہوگا اُس کا یہی مفہوم پیدا ہوگا کہ اسکا معشوق فلاں وقت آکے اُس سے
ملیگا اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ الہام خواہ صوفی کا الہام ہو یا مصور کا یا بادشاہ کا یا خستہ جگر عاشق کا
دوسرے شخص کے مطلب کا نہیں ہوتا۔ پھر وہ ہے کہ جسے الہام ہوا ہو اُس کی تسکین ہو جائے یا بالفاظ دیگر
اُسکے قلب مضطر کو [illegible] حاصل ہو جائے کسی ایسی بات کا دل میں پیدا ہونا جس کی طرف کبھی ذہن گیا تھا یا کم

رکھتا ہے کہ ایک پوشیدہ اور رازدارانہ قوت کی وجہ سے اُسے تحریک ہوئی۔ پس یہ خیال اُس کے لئے ایک کافی سرمایہ آسائش و راحت کا پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارے واجب الاحترام امام غزالی کا یہ عقیدہ فرمایا کہ دنیاوی معاملات سے قطع تعلق کرنے کے بعد جب ضمیر انسانی خدائے واحد کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو غیب کے اسرار اُس پر کھلواتے ہیں اور وہ حجاب جو عبد و معبود کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے۔ ایک عجیب بات ہے اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو سکتا ہے تو ایسے بے تعلق ہونے اور ربانی مدارج پر پہونچنے کا فائدہ سوائے اُس نفس کے اور کسے پہنچ سکتا ہے یا ایسی بات ہے جو صریح قوانین قدرت اور منشاے باریتعالیٰ کے خلاف پڑتی ہے۔ تعلقات دنیا سے کوئی نہیں بچا۔ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود ختم رسل و فخر انبیا ہونے کے بھی امور دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتے تھے اور کبھی کوئی لحہ آپکا ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی تدابیر نہ سوچتے ہوں گھر سے بے گھر آپ ہوئے کفار کے نہایت ناانصافی اور سنگدلی سے جلاوطن آپ کو کیا مخالف لڑائیاں آپ نے لڑے سفارتیں آپ نے شاہان مشرکین کے پاس بھیجیں۔ لاکھوں نصائح نشست و برخاست اور تمدن اسلامی کے بارے میں آپ نے فرمائیں جو کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی چوتھائی آبادی کلمہ طیبہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھتی ہے اگر آپ کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے اور مجاہدے فرمایا کرتے تو اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا اور آج ایک پیشانی بھی ایسی نہ ملتی جو خدائے واحد کے حضور جھکتی دکھائی دیتی۔ صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری پیدائش کی غایت کیا ہے؟ اور کیا ہم دنیا میں اسی لئے پیدا ہوئے ہیں کہ صرف اپنی ذات کے لئے بہت کچھ سامان کریں ملاء اعلیٰ میں جا ملیں اور اپنے خالق کے برحق دین کی تمام عمر کچھ خدمت نہ کریں اُس کی مخلوق سے اُس طرح بھاگیں جیسے کوئی بری چیز سے بھاگتا ہے اور ذرا بھی اُس کی مدد نہ کریں ٭

ہم صرف الہام کو تخیل کی بلند پروازی سمجھتے ہیں اگرچہ ایسے تخیل کی ہم قدر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جب اس تخیل نے شجاعان عرب کو اُبھارا ہے تو چشم زدن میں زمانہ کی ہوا بدل گئی ہے کام کرنیوالے کا الہام یا تخیل گوشہ نشین کے الہام یا تخیل سے بدرجہا بہتر اور شریف ہے حضرت امام بخاری کا الہام جو اُنہیں احادیث جمع کرنے کا ہوا صوفی کے اُس الہام سے بہتر ہے جو اُسے ملاء اعلیٰ میں شامل ہونیکا ہوتا ہے ہم نے مانا الہ تسلیم کیا کہ صوفی کو ربانی مدارج بہت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا مگر مخلوق خدا و دین خدا کا اس سے کیا

فایدہ ہوا اس کی مثال تو بالکل اُس شخص کی ہی جسنے تمام عمر دنیا میں آنکھ دولت کمائی اپنے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کیا مگر ایک پیسہ کا بھی کسی کو اُس سے فایدہ نہیں ہوا اُسکا دنیا میں ہونا نہونا یکساں ہی ہم اُس الہام کی قدر کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم کو فتح ممالک اور اشاعت اسلام کا ہوا تھا جس سے آج ہندوستان جیسے دور دراز ملک میں سلطنت جاتی رہنے کے بعد بھی اسلام دکھائی دیتا ہی ہم صوفیوں کی دل سے توقیر کرتے ہیں ہمیں اُن کی منکسر انہ بیعت پر خوش اخلاق محمدی کا رنگ معلوم ہوتا ہی ہمیں اُن کا قلب مطمئنہ دیکھکے حد سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہی مگر جو گہری بات دیکھنے کی ہی وہ یہ ہی کہ اُن کا الہام جب ملاء اعلےٰ میں جا ملیں دین خدا اور مخلوق خدا کو کیا فایدہ دے سکتا ہے کس صوفی کے الہام نے جب وہ ملاء اعلےٰ میں جا ملا اسلام کی نازک حالت میں مدد کی ہے؟ اُندلس برباد ہو گیا۔ بغداد ہلاکو خان کی تلوار سے خون میں نہا گیا۔ ہندوستان ہاتھ سے نکل گیا مگر کوئی صوفی ایسا نہوا جو کچھ بھی مدد کر سکے۔ صوفی اور اُن کا الہام صرف اسی قدر تعظیم کے لایق ہی جیسے ایک دولتمند کی دنیا میں خواہ مخواہ تعظیم کیجاتی ہے۔ اگرچہ تعظیم کرنے والوں کو درحقیقت اُس سے کوئی بھی فایدہ نہیں ہوتا +

اب یہ بات کہ خداوند تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہی نہایت صحیح ہی خدا تعالیٰ کی اپنے بندہ سے باتیں کرنا یہ معنی رکھتا ہی کہ اُسکے عام کام جن میں صلاح و فلاح دین و دنیا مضمر ہی برابر اُس کے خیالات کے مطابق پے درپے نتیجہ بخش ثابت ہوتے رہیں۔ ایسے لوگوں کی خود روح القدس مدد کرتی ہی اور ایسی حالت میں جو کچھ خیالات اُسکے ضمیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ محض بتایید روح القدس پیدا ہوتے ہیں چونکہ روح القدس کی تایید خدا کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے اُن خیالات کو خدا کی طرف سے سمجھ لینا غلطی نہیں ہے تو بھی ہم اُن کی عجیب و غریب حالتوں سے انکار نہیں کرتے جنکا بیان ہمیں بالتفصیل صوفیوں کی کتابوں میں ملا ہی اور جن کا مختصر اشارہ حضرت امام غزالی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے کیا ہی آخر الذکر فاضل نے جو یہ لکھا ہی کہ میں سب کچھ تھا میں ہی قرآن تھا اور میں ہی توریت تھا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں گو بظاہر ناممکن الوقوع ہوں مگر غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ دل میں ایسی باتوں کا ظہور ہونا علو شئے روحانیت کی دلیل ہی اور ہمکو اُن الفاظ پر بھی تعجب نہ کرنا چاہئیے۔ انسان کی اصلی حقیقت سے کہ فطرت نے انہیں کیا کیا جوہر پوشیدہ کئے ہیں ہنوز کوئی واقف نہیں ہوا ہی نہ علوم قدیمہ سے اسکا پتہ لگ سکا نہ علوم جدیدہ نے اُن جوہروں کے پتہ لگانے میں کامیابی حاصل

کی ممکن ہے کہ صدہا برس گذرنے کے بعد شاید اُن چھپے جوہروں تک کوئی پہونچ سکے۔ فی الحال ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ موجودہ فلسفہ کے پہلو پر انسان کی بابت کچھ بحث کریں جس سے یہ اندازہ ہو جائیگا کہ صوفیہ نے عجائبات قلبی کا جو بیان کیا ہے اُس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں کیا عقل جان سکتی ہے کہ وہ بیان محض محدود اور معینہ الفاظ کے دایرہ سے نہیں نکل سکتے اور الفاظ کی یہ کیفیت ہے کہ اُن سے ہم کوئی معمولی حالت ضمیر بھی نہیں بیان کر سکتے۔ پھر ہم کیونکر بزرگان دین صوفیائے کرام کی اس گوناگون قلبی حالت کو سمجھ سکتے ہیں جو انہوں نے بیان کی ہے۔ بہرحال ہمارے ذیل کے بیان سے جو ہم انسان کی بزرگی کا کرینگے ایک حد تک اُن عجیب غریب اقوال اور عجائبات قلبی کی جو ظاہر طور پر قابل مضحکہ سمجھے جاتے ہیں تصدیق ہو جائیگی۔ اور سمجھ میں آجائیگا کہ انسان کی بزرگی خیال سے بھی بلند ہے اور اُس کی کسی ایسی صفت پر جو اپنی سمجھ میں نہ آئے خندہ زنی کرنا ناجایز اور خلاف عقل ہے +

انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے ہم اُس عجیب جلال اور بزرگی کا جو اسکی ذات میں عطائے حق کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے ایک ناقص خیال لا سکتے ہیں ہم صرف اسکی ظاہری حالت کی رطب اللسانی کرتے ہیں ہمیں اُس کے اندرونی جوہروں کا شمہ برابر بھی علم نہیں ہے مثلاً ہم نے گلاب کے درخت کی شاداب ٹہنیں سبز پتے اور کٹورے سے کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کے تعریف کر دی مگر اُس بیج کی ماہیت پہچاننے میں قاصر ہیں جس سے یہ درخت بنا۔ جب ہم اُن فطری قوتوں کا خیال کرتے ہیں جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئے ہیں اور جسکی ساخت صرف ایک قطرہ سے ہوئی ہے جو بظاہر ایک بیوقعت چیز ہے تو اور بھی ہمارا تعجب بڑھتا ہے اور ہمیں بڑی دیر تک سکتہ ہو جاتا ہے۔ انسان بغیر کسی مقابلہ کے فطرت کا ایک اعلی ترین حصہ ہے لیکن اُسکے مرتبہ کی بزرگی اُسکے مطابق ہنوز نہیں پہچانی گئی ہے اور ہمیں اُسکی تعریف کرنے کے الفاظ نہیں ملتے۔ دنیا میں اُسی چیز کی زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے جسکی ساخت میں اعلی درجہ کی صناعی خرچ کی گئی ہو اور جسمیں علاوہ زر کثیر کے وقت کا گرانمایہ حصہ صرف ہوا ہے۔ اسی پہلو سے جب ہم انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُس کی تعریف اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ خداوند تعالی نے اُسے جامۂ انسانیت پہنانے کے لئے کس کثرت سے انبیا بھیجے اور کئی ہزار بلکہ لاکھ برس سے انسان کے آراستہ کرنے کی تدبیر کی جا رہی ہے ان لاکھوں برس کی تعلیم اور بنانے سنوارنے کے بعد آج ہم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ جسے کامل انسان کہنا چاہیئے اُسکا مرتبہ ابھی ہم سے بہت اعلے ہے تو بھی موجودہ حالت میں انسان ایک

بڑی تعریف کے مستحق ہے جو ہم سے پورے طور پر نہیں ہو سکتی ✣

ہم انسان کی بے انتہا قوتوں کا خیال کیونکر کر سکتے ہیں ؟ ہر گوشہ میں ہمارے ساتھ موت و زندگی کی قوتیں رہتی ہیں جنکی ماہیت کو جاننا ہماری زندگی کا جزو اعظم ہے۔ انکی فسلاسفی نہایت سے انسان کی ساخت ہوئی ہے اور وہ ساخت ایسی کامل ہے اور انہیں ربانی عطیات کا ایک بڑا ذخیرہ مضمر ہے کہ ہم نے اُسکا نام عالم صغیرہ رکھا ہے کیونکہ بلا شک اُسکی ساخت کے مشتمل جو ہر کائنات کے لب لباب ہیں انسان خود فطرت ہے فطرت کی واجب التوقیر کوششیں خاص اس امر کے لئے ہیں کہ اُسکی اصلی ماہیت کو پہچانا جائے۔ انسان کی اندرونی اور بیرونی حالت سے بہت مشابہ ہیں۔ انسان دوسرے حیوان سے اسی لئے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کہ اُسکی ذات میں نامحدود ترقی کرنے کی بہت سی قوتیں ہیں جبکہ یہ مسلم ہے کہ فطرت کے بہت سے اسرار ابھی تک نہیں کھلے۔ اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ انسان کی ذات کے بھی بہت سے اسرار ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے ✣

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس خیال کو کہ ہمارا تعلق نوع انسان سے ہے دل سے محو کر دیں اور پھر اُسے ہم ذہنی روشنی سے نہیں بلکہ خارجی روشنی سے ملاحظہ کریں تو ہم انسان کو کائنات کی غیر منتہی بلندی پر پہنچا ہوا دیکھینگے اور اسے سب سے بڑا اور فطرت کا سب سے پرجلال انکشاف ملاحظہ کرینگے۔ اگر ہم آسمان کے ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں اور پھر اس خوبصورت زمین پر اور اُس کی رنگا رنگ چیزوں پر نظر کریں اور ہماری نگاہ انسان پر جا پڑے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسان اپنی مرقع فطرت میں ممتنع الفہم اور قیاسات سے بدرجہا بلند بزرگی رکھتا ہے جس نے انسانیت کے انمول عظمت اور بزرگی کو نہ پہچانا یقیناً اُس نے فطرت کو نہیں جانا۔ کیونکہ انسان بجائے خود ایک مادی فطرت کا نام ہے ✣

ہم اپنے خیالات کے مانند پاکیں دیں اور انہیں بے انتہا دوڑنے دیں اور پھر لا انتہا تصور کی تکمیل کریں اُسوقت سوائے اسکے ہمیں کچھ نہ معلوم ہوگا کہ ہم اُسوقت بے انتہا قوت بے انتہا عظمت اور بے انتہا جلال انسان کا دیکھینگے اور فطرت کی ہم مرکز قوتیں ہمیں ایک جگہ جمع نظر آئیں گی ✣

جب ہم انسان کے کلاہ حقیقت کا تصور کرتے ہیں اور اُسکی عجیب و غریب قوت کو ملاحظہ کرتے ہیں جن سے علوم و فنون اور قومی و تمدنی قوانین پیدا ہوئے ہیں اور جب اُس جوہر کا خیال کرتے ہیں جس سے اُس نے فطرت کی بہت سی قوتیں اپنے مطالب حاصل کرنیکا ذریعہ بنالی ہیں اور جن باعث سے وہ دوسری مخلوق

کا آقا اور سردار معلوم ہوتا ہے تو ہمیں ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی غیر محدود قوتوں اور صفات کا مالک ضرور اپنے عالی مرتبہ کا علم رکھتا ہے اور اس صورت سے اُسے بالکل آزادی اور غیر مقید زندگی اختیار کرنی چاہیئے۔ مختلف قسم کے عجوبے ظہور پذیر وغیرہ اُسکی ذات سے حادث ہوتے ہیں اور جن کا نام مختلف مذاہب کے اور اصطلاح میں نئے نئے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تعجب نہیں کیے جاتے بلکہ انہیں ہم معمولی سمجھتے ہیں اور اس سمجھنے کی یہ وجہ ہے کہ انسان کی ذات ان کرامتوں اور خرق عادات سے بھی زیادہ ارفع ہے۔ مگر افسوس صد افسوس موجودہ خیالات کی رو سے یہ عجیب باتیں یا فوق الفطرت کے دائرہ میں شامل کی جاتی ہیں اور انہیں ناممکن الوقوع سمجھ کے اکثر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے انسان میں قدرتی طور پر خودداری اور آزادی کا ایک مادہ پیدا ہوا ہے اور اسی کو آجکل ایک سخت عیب خیال کیا جاتا ہے ہماری تمام کوششیں اور ہماری کل سعی اسی سلسلہ اختیار کیا جاتی ہیں؟ صرف یہ کہ ہم اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو کر ہم کامل آزادی چاہتے ہیں مگر ہم انہیں تعصب کے پھندے میں پھنسا کے ایک جگہ رکھنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہمارے خیال کی رسائی ہے اس سے آگے انسان کا پہنچنا خلاف فطرت ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انسان سے خواہ کچھ ہی ظہور کیوں نہ ہو تعجب سے نہ دیکھنا چاہئے البتہ ضرور خیال ہو سکتا ہے کہ اس عجیب کرشمہ سے جنہیں دکھایا گیا ہے مخلوق کو اس کیا فائدہ ہے۔ الہام کی نسبت ہمارا مذہب ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ عیسائی ہو یا یہودی۔ آتش پرست ہو یا بودھ الہام پیدا ہوتا ہے اور ان الہاموں میں انکے تاریخ کی وجہ سے فرق ہے۔ الہام درحقیقت ایک خیال کا نام ہے جسکا انسانی قلب میں پیدا ہونا لازمہ قوانین قدرت ہے جس طرح ایک مصور اور مدبر سلطنت کے الہام میں فرق ہوگا اُسی طرح ایک فاسق اور زاہد کے الہام میں فرق ہوگا۔ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب جو توریت و قرآن لکھے ہیں اسکے کیا معنی ہیں؟ صرف یہ ہیں کہ انکا تخیل روحانیت کی دنیا میں اپنی شاہانہ دوڑ دکھا رہا تھا اور آپ یہ سمجھ گئے تھے کہ جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں اور ایک طرح سے یہ خیال بھی حضرت شاہ صاحب کا صحیح تھا کیونکہ تعلقات انسانی ایسی گہرائی پر پہنچے ہیں کہ اگر انہیں کامل طور سے سمجھ لیا جائے تو انسان اپنے کو کسی سے جدا نہیں سمجھتا ہمارے شاہ صاحب فخر ہندوستان کی ان گہرے تعلقات پر کافی نظر کی تھی اور وہ جانتے تھے کہ اصلی حقیقت کیا شے ہے اسی وجہ سے آپ ہر گزشتہ چیز کے لئے خود موزوں سمجھتے ہیں یہ انسانی خیالات ہیں جنکی کوئی حد پایاں نہیں۔ ہر انسان خواہ وہ کسی درجہ اور

مرتبہ کا ہو ہر لحظہ ہزاروں خیال کرتا ہو مگر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ وہ کسی کے آگے اظہار نہیں کرتا کیونکہ لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں مثلاً اگر حضرت شاہ صاحب اُس زمانہ میں ہوتے جب بیچارے بیگناہ منصور پر آفت بپا ہوئی تھی تو بیشک آپ بھی نہ بچتے اور بلا سبب سلطنت کی طرف سے آپ پر بھی عقوبت توڑی جاتی۔ یہ ساری سمجھ کا قصور ہے انسان کے دلی جذبات اور خیالات پر کبھی رد و قدح نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک کہہ رہا ہے کہ میں خدا ہوں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اُس نے کسی کو کیا اذیت پہنچائی مفت میں اُسکے پیچھے ہو جانا اور اُسکی جان کے پیچھے پڑ جانا رحم انصاف دونوں سے بعید ہے +

اگر ایک شخص کا قول دوسرے شخص کے خیال میں نہ آئے تو اُن لوگوں کو جو اُسکی تائید نہیں کرتے ہرگز مجاز نہیں ہے کہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اور اُسے نادان یا بے دین سمجھیں کون جانتا ہے کہ کس کی رائے غلطی پر ہے اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ سچا کون ہے +

ہمنے جو کچھ الہام کی نسبت لکھا ہے اُس سے ایک منصف مزاج شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے استدلال یا اصول یا تحقیق کہاں تک ٹھیک ہیں اور ہمنے اُسے سلجھانے میں کہاں تک کوشش کی ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ ہم اُن لوگوں کی سخت حقارت کرتے ہیں جو اپنے الہام کی وجہ سے دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کی افسوسناک حالت سے ہمیں ہمدردی ہے جو اُنکے الہام کے جال میں پھنس کے اپنا دین و دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر فرض کرو کہ ایک شخص کو الہام ہوتا ہے تو پھر ہمیں کیا اور ہمارا اسمیں کیا فایدہ ہے اگر ایک شخص عالم ملکوتی میں پہونچگیا ہے تو اُس سے ہماری نجات کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ الہام وہ الہام ہے جو محض ذاتی اغراض پر مبنی نہ ہو اور اُس میں خدا کے کنبہ یعنی عامہ خلائق کا فائدہ مقصود ہو اور جب الہام اپنی شیخیت اور جاہل لوگوں میں اپنی عظمت بڑھانے کے لئے دکھایا جاتا ہے تو ہم ایسے الہام کی بالکل قدر نہیں کرتے اور اُس الہام کو ایک مکر سے زیادہ نہیں جانتے +

ہمیں الہام کی بابت جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے اور جو کچھ ہمارا خیال تھا ظاہر کر چکے صرف اتنا بیان کرنا اور باقی رہگیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سب سے زیادہ الہام کا چرچا ہوا ہے اور انہی کی دیکھا دیکھی صوفیوں نے بھی الہام کو اپنے ہاں رواج دے لیا۔ خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں کسی صحابی کو الہام نہیں ہوا۔ کوئی معتبر شہادت ایسی نہیں ملی کہ کسی

صحابی نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اپنے الہام کی بابت کچھ عرض کیا ہو۔ نہ
چاروں خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی صاحب الہام تھا۔ ہاں ایسی تو بہت سی روایتیں ملتی
ہیں جیسی یہ کہ جب جنگ قادسیہ ہو رہی تھی اور ایک مقام پر ضرار کو خطرناک ہزیمت ہوئی تھی تو حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہو گئے تھے اور جس تن دہی اور صبر سے آپ نے فوج جمع کر کے میدان
جنگ میں روانہ کی ہے وہ واقعہ تاریخ عالم میں یادگار رہیگا۔ اسی اثناء میں جب آپ فوجیں بھیج رہے تھے
نماز پڑھنے مسجد نبوی میں گئے دیکھا کہ ایک موٹا تازہ عرب ایک کونہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنے مجاہدہ
میں مستغرق ہے آپ نے اُسے آواز دی وہ نہ بولا پھر آپ نے زور سے للکارا تو اس کی آنکھیں کھلیں آپ نے
فرمایا تو کیا کر رہا ہے اُس نے کسی قدر بے رخی سے جواب دیا کہ میں یاد خدا میں غرق تھا۔ آپ نے کئی درّے
رسید کر کے فرمایا کہ تیرے بھائی تو سر بکف میدان کارزار میں دشمنان خدا کا مقابلہ کر رہے ہیں
اور اسلامی عزت و وقار قایم رکھنے کے لئے اپنی جان دینے پر تیار ہیں اور تو مجاہدہ میں غرق ہے تیرا
یہ مجاہدہ کس کام کا ہے اور اسلام یا مسلمانوں کو اس سے کیا فایدہ ہے۔ اُٹھ تلوار پکڑ اور میدان
جنگ میں جا تاکہ اسلام کے سچے شیدائیوں میں ہو ٭

اس قسم کی روایتیں تو بہت ہیں مگر ایسی روایتیں نہیں ملتیں کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
یا صحابائے راشدین کے وقت میں وہ دعوے کئے ہوں جو بعد میں کئے گئے۔ اور اس زمانہ میں وہ الہام
ہوتے ہوں جو اب ہو رہے ہیں حالانکہ اس قسم کی باتوں کے لئے وہ زمانہ زیادہ موزوں تھا ٭

اگر ہم غور سے تاریخ کے صفحے اُلٹیں گے تو ہمیں اس بات کا پتہ لگ جائیگا کہ جب سے ایرانی مسلمان
ہوئے ہیں تصوف اسلام کی ایک شاخ بن گیا۔ کیونکہ ایرانیوں کا یہ مذاق قبل ظہور اسلام موجود تھا اور نوشیرواں
کے وقت میں اس مذہب کو بہت عروج تھا۔ مذہب اسلام میں تمام قسم کی مین میخ ان ہی ایرانیوں نے
نکالی ہے ورنہ مذہب اسلام تو اس قدر سادہ اور آسان تھا کہ صرف پانچ منٹ میں ایک جاہل جنگلی
بدوی سمجھ لیتا تھا اور ایسا زبردست مسلمان بن جاتا تھا کہ اُسے تمام دنیا کی متحدہ قوت بھی جنبش نہ دے
سکتی تھی۔ جتنے بڑے بڑے محدث فقیہ اور مفسر ہوئے ہیں سب ایرانی یا نواح ایران کے ہیں۔ الا ماشاء
اللہ اسی وجہ سے اسلام میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کی گئی ہیں کہ غیر مذہب والا انہیں دیکھ کے یہ سمجھتا ہے
کہ دنیا میں اس سے زیادہ سخت اور مشکل مذہب کوئی بھی نہ ہوگا۔ بہرحال ہم ان دقایق و غوامض پر کوئی

نکتہ چینی نہیں کرتے اور ہم اپنے خیال میں انہیں بسبب رخصت سمجھتے ہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ عوام کی نگاہ میں اُن باریکیوں سے مذہب اسلام ہوّا بن گیا ✤

وحی

اصل میں وحی وہ چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کھلجاتی ہے۔ اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ خدا سے اُس کا پیغام سُنا جائے ✤

دوسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے ✤

تیسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے ✤

چوتھے یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مشاہدے کے پیغام الٰہی پہنچے ✤

پانچویں یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے ✤

چھٹے یہ کہ خواب میں یا اور طرح بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو ✤

وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیاء کے سوا اور لوگوں پر اُترے محدثیت کہتے ہیں اور پانچویں قسم کو الہام اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیاء پر کبھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علماء نے وحی کی قسمیں بنائی ہیں اور انبیاء اور غیر انبیاء کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے اگرچہ علمائے کرام کا یہ فیصل نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے لیکن میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس امر کا قائل ہوں کہ غیر نبی پر کبھی مثل نبی وحی نازل ہو سکتی ہے وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں ڈالا جائے اور اُس پیغام میں اوامر و نواہی کے احکام مضمر ہوں اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہ ہو اور نہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدیل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان اُس جیسا بنا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اُس کے مقابل میں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کے لئے فرمایا ہے اس سے کلی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہو گیا ایک تو یہ امر کہ ہم نے اس وحی کی کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو اور ایک یہ بات کہ ہم نے قرآن نازل کیا جس کے مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی ہے ہم پہلے قرآن مجید کے اُن مقامات کو نقل کرتے ہیں جنہیں وحی غیر نبی پر آئی ہے پھر ہم بتائینگے کہ اس لفظ وحی سے کیا مراد ہے۔ آدمی تو آدمی شہد

کی مکھیوں کے پاس وحی کے آنیکا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فرماتا ہے واوحیٰ ربک الی النحل پھر آسمانوں کو وحی بھیجی گئی واوحیٰ فی کل سماء امرہا اب اس سے ایک عاقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنے چھتے پہاڑوں میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک ناواقف شخص اچھل پڑیگا کہ جب خدا انسان تو انسان جانوروں اور وہ بھی ادنیٰ مکھیوں کے پاس وحی بھیجتا ہے تو پیغمبر اور نبی کی اسمیں کیا خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے صرف اس وحی کی وجہ سے ایک کو تمام دنیا کی رحمت اور ہدایات مانیں اور دوسرے کو معمولی خیال کریں ایسے خیال کا آنا ممکن ہے مگر دراصل یہ بات نہیں ہے وحی کے معنی فطرت کے ہیں اور شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کی مقصود کو اسطرح بیان کرنے کا ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کرتا ہے اور اپنا قادر مطلق ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آئے اور سمجھے کہم بڑی سے بڑی اور ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا حتے کہ شہد کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم کے اور مرضی کے اپنا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی اُن کی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتے بنائیں۔ آسمانوں کے پاس وحی بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام آسمان جکڑے ہوئے ہیں ہم اُنپر حکمرانی کرتے ہیں اور ہماری خدائی اُنکی ہستی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ہمارے خیال میں اس وحی کے معنی اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے علاوہ مکھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا منشاء باری تعالیٰ ہو سکتا ہے ؛

اب وہ آیتیں نقل کیجاتی ہیں جن سے مقدس لوگوں پر وحی آنے کا ثبوت ملتا ہے پوری آیتیں نقل کرنے کے بعد ہم اُنپر بحث کریں گے ؛

سورۃ القصص آیت ۶ واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین یعنے اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی ماں کو کہ اُسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اسکا ڈال دے اُسکو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔ ہم تیری طرف اُسے پھر پہنچا دیں گے اور اُسے رسولوں میں سے کریں گے ؛

حضرت موسیٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے اُنپر وحی آنا ثبوت ہوتا ہے پھر سورۃ کہف میں

فرماتا ہے سورہ کہف آیت ۸۶ قلنا یذا القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا

اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا اُن میں خوبی رکھ +

پھر سورہ مریم میں فرماتا ہے -

سورہ مریم آیت ۱۶ لغایت ۲۲ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا - قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذالک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یعنی اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے ایک شرقی رخ جگہ جا بیٹھیں - اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس اُن کے پاس بھیجی وہ اچھے بھلے آدمی کی شکل بن کے اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی وہ (اُسے دیکھ کے) کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ - روح القدس) بولی میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں (اور) اس لئے (آیا ہوں) کہ تمہیں (ایک) پاکیزہ لڑکا دوں - وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہو سکتا ہے - حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ میں کبھی بدکار رہی (روح القدس نے) کہا (جیسا میں کہتا ہوں) ایسا ہی (ہوگا) وہ ہم پہ آسان ہے اور ہم اُسے اپنی قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں - یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پا چکی ہے +

پھر سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے سورۂ آل عمران آیت ۴۵ اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین یعنی جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسےٰ بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربوں میں سے ہے +

پھر سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے واذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی قالوا امنا واشھد باننا مسلمون یعنی اور جب میں نے حواریوں کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر یقین لاؤ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں +

ان کل آیتوں سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہی کہ غیر نبی کے پاس بھی وحی آتی ہے یہانتک کہ روح القدس یا حضرت جبرئیلؑ انسان کی صورت بنکے بی بی مریم کے پاس آئے حالانکہ وہ نبی نہ تھیں ہم ملائکہ کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی خصوصیت انبیا کے لئے نہیں ہو بلکہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی تائید ہر نیک بندہ کے ساتھ ہوتی ہو اور یہ خیال کہ دنیا پر روح القدس یا جبریلؑ کا آنا بند ہوگیا محض غلط ہے بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا یہ عادت خداوندی ہو کہ اُس نے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا فرمایا ہے اور یہی وجہ ہو کہ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بھی فضیلت دی ہے +

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہو اُسکے کیا معنے ہیں اور ہم اخیر لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں اور اُس کی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو +

پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہو کہ تو اُسے یعنے موسیٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نکر ہم اُسے رسول بنائینگے۔ ایسی نازک حالت جو حضرت موسیٰ کی ماں کی تھی اُسمیں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے اُنہیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچہ کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر اُن کے دل پر پیدا ہوگا وہ سوا اسکے ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ مجھے اور میرے بچے کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہو۔ یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دلمیں آیا کرتا ہے اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کرکے ہر وقت اپنے کل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنے ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادر مطلق تسلیم کرتا ہو اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو کل اسی کو ہیں اسی خیال سے یکایک تسکین ہوتی ہو اور پھر اسی تسکین کو خداوند تعالیٰ وحی یا القا یا الہام سے تعبیر کرتا ہے اسمیں بھی اُس کا جلال اور لازوال قدرت کا نقشہ کھینچتا ہے اور یہی منشاء باری تعالیٰ ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنی عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقتوں پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے اور ناسمجھ لوگوں کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنالے +

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ بھی فرق نہیں ہے مگر ہاں انکے مدارج ضرور ہیں اور

اسی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم و برحق کا مرتبہ وہ اعلےٰ ہے کہ کسی کو میسر نہیں ہوا حضرت مریم کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقت کے لئے تھا۔ اور ہمارے ہادی برحق کے پاس روح القدس کا شب و روز رہنا مداومت پر دلالت کرتا ہے اسکی سادے اور عام فہم الفاظ میں بالکل یہی مثال ہوسکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اُس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبے کا حکمران ہو اور اُس حکمراں پر بھی اُسکا اطلاق ہوسکتا ہے جس کی عملداری بہت ہی وسیع ہو پادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے ✤

ایک سلطان عظیم الشان ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کرلیتا ہے۔ ہمکلام ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوئی مگر کلام کلام میں فرق ہے اسی طرح اُس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھیجی جاتی ہے اور اُس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھیجی جاتی ہے اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے ✤

وحی جس کے معنے ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جسکا ظہور ہر لحظہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے۔ یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس اور وہ برس جاتا ہے ہوا کو وحی کیجاتی ہے کہ تو چل وہ چلنے لگتی ہے۔ پانی کو وحی بھیجی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے۔ انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالےٰ نے تمام کائنات کو جکڑا ہے اُن زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہوسکتا ہے اُسی طرح وحی اُسی طرح القا اور اُسی طرح الہام اور اُسی طرح حکم خدا۔ اگر غور سے دیکھا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور ان کے معنے اور مفہوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے ✤

خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اُسکے لئے قوانین بنائے جنہیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین بنائے کہ جبتک کائنات کا وجود ہے وہ قوانین بدل نہیں سکتے۔ اُسنے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے اور اُسکے قوانین کا عام اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز حادث نہیں ہوسکتی اسلئے اسے شایان ہے اور اُس ذات پاک وحدہ لاشریک کو سزاوار ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور ادنے سے ادنے کام کی نسبت اپنے ساتھ کرے اور اسکی اس نسبت کرنے کی غایت بہت بڑی یہ ہے کہ نافہم انسان اُسکی مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند و سورج کو اپنا معبود نہ بنالے حضرت

موسیٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھے اُس نے اپنی طرف اسی لئے منسوب کیا ہے تاکہ ہم عقل یا پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کریں جو حقیقی خالق کے لئے شایان ہو - فرمایا ہم نے موسیٰ کی ماں سے کہا تھا کہ اُسے دریا میں ڈالدے اور کچھ خوف نہ کھا یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام تو سب قوانین قدرت یا لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں مگر خداوند تعالیٰ ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فایدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور در حصل یہی مدعا ہے قوانین قدرت ہے +

اسکی لازوال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے - ہر لحہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر شہادت دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے - دنیا میں تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہو اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں - درخت کو وحی ہوتی ہو کہ تو اپنے کل پتے گرا دے وہ گرا دیتا ہے پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں ملجاؤ وہ ملجاتے ہیں پھر اُس خاک کو وحی ہوتی کہ تو دوبارہ درختوں کو بار آوری کی طاقت دے اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہو کہ تمہیں خوراک پہونچ چکی - اب تم سبز اور پھل دو - چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں +

ہر شے میں اُسکا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اُسکے علم یعنے قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا - اور ہے کیونکر وہاں تو عظیم کر ہوں سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خوردبین سے بمشکل نظر آتا ہے قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنے ابتدا سے جو قاعدہ اُنکے لئے مقرر کر دیا ہے اُس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے اگر تجاوز کر جائیں تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم و برہم ہو جائے - جو بات ہوتی ہو انہی قوانین کے دائرے میں - اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہو وہ بھی اُن ہی قوانین کے دایرہ میں معمولی آنکھ جب عجیب حادثے دیکھتی ہے تو اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہو کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل ایسا سمجھ سکتا ہو کہ قوانین قدرت یا لوح محفوظ میں اتفاق کا لفظ ہی سرے سے نہیں ہو - ہم یہ جانتے ہیں اور ہمیں اسکا علم ہے کہ کتاب فطرت کی الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک نہیں ہے تو بھی اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے +

ہمارا یہ عقیدہ ہو اور اسلام اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ وحی کی خصوصیت درحقیقت انبیا کیلئے

نہیں ہے ہاں اُسکے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اوپر بیان کر چکے ہیں۔ وحی ہر شخص اور ہر چیز
اور ہر جاندار اور ہر بیجان حتے اکہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا۔ ہمارے علماء اکرام نے
ایسی وحی میں جو انبیاء کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیاء کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنی
اُنکے جدا جدا نام رکھے ہیں اور اسکا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے اُنکے صفات میں ہم فرق کر
سکیں چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم
قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر۔ یعنے
پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک تم سے پہلے امتوں میں الہام والے لوگ تھے پھر اگر
میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام یا صاحب وحی ہونا
ثابت ہوتا ہے جو بات کہ اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ
خصوصیت کیوں کی گئی۔ جبکہ اوروں کا بھی قوانین قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے
سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص
خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص خاص معاملات میں آپ کی رائیں بالکل اُن احکام کے
مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے
ازراہ محبت سے ایسا فرما دیا کہ میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے
اگر بغور اُنکو دیکھا جائے تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی کیونکہ ان الفاظ سے
ایک طرح کی اعلےٰ درجہ کی صفت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ماں کہہ سکتی ہے کہ میری دستگیری کرنے
میں میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہے اسکے یہ معنے نہیں ہوئے کہ باقی ماندہ بیٹے اپنی ماں
سے کبھی کوئی سلوک ہی نہیں کرتے۔ سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت
ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام یعنے صاحب وحی ہے مگر ہاں الہام
اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں +

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیاء ہی کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں
پر بھی نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچویں قسم کو جب نبی پر نازل ہوتی ہے کبھی نفث فی الروع
بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہے تو اُسکو سکینہ کہتے ہیں +

چنانچہ حضرت رسالتمآب کا ارشاد ہے مشکوٰۃ فی باب التوکل والصبر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے مشکوٰۃ فی باب مناقب عمرؓ ماکنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر یعنے سکینہ عمر کی زبان اور دل سے بولتی ہے ✤

ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالتمآب کو وحی القا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آپکے وحی القا کرتی تھی۔ مذکورہ صحیح حدیث سے اسکا ثبوت ہو گیا یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک روح القدس نے ڈالا میرے دل میں ✤

اسلام نے ان مسئلوں میں جن کو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے کل مضامین یہودیوں یا نصرانیوں سے لیے ہیں سراسر اتہام ہے۔ یہودی اور نصرانیوں کو خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیونکر پیدا کرتے۔ وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور مذہب کسے کہتے ہیں۔ مذہب کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے اخیر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے ان قوانین کو توڑے جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں جبکہ کل نظام کائنات کا دار و مدار صرف انہی پر ہے مگر مذہب کی شان یہ ہے کہ اسکے تمام اصول قوانین قدرت کے ہو بہو مطابق ہوں اور کبھی ان کی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے ✤

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم ہے اگرچہ اس کی تشریح انہوں نے نہیں کی۔ وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی تو کیا مکھیوں کو بھی ہوتی ہے بالکل یہ اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ فطرت باری تعالیٰ خلاف ہے وحی کا عام ہونا انبیاء علیہم السلام کی برترین شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا جبکہ مدارج کا بین تفاوت موجود ہے۔ اسکی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگا کے چار روپیہ کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے مگر کیا وزیر کے رتبہ کو کوئی ادنےٰ شخص پہنچ سکتا ہے ؟ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ انبیاء کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر یعنے پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے ہمارے واجب التوقیر علماء بھی اس طرف گئے ہیں مگر انہوں نے وضاحت سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی۔ جتنے انبیاء کو وحی آئی وہ سب معانی تھی یعنے الفاظ خداوندی نہوتے تھے۔ بلکہ مفہوم ربانی تھا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کرتے تھے۔ اور فخر انبیاء قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اسکے الفاظ اور اسکا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ہمارے نبی معصوم خود ایک مجسم وحی تھے اور آپ میں سے ہر وقت ہر گھڑی اور ہر لحظہ صدہا چشمے وحی کے ابلا کرتے تھے۔ آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپ کی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی۔ آپ کا ہر سخن سوفواہ تھا ربانی وحیوں کا۔ روح القدس جب آپ کی پاک زندگی کے ساتھ لازم وملزوم ہوگئی تھی۔ پھر آپ کو خاص طور پر وحی کے نازل ہونیکا انتظار کرنے کی فطرت کیوں تکلیف دیتی۔ ہمارا یہ ایمان ہے آپ پشت پدر سے نبی نکلے پیدا ہوئے۔ آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی تھے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں۔ اگرچہ پہلو کے چاک ہونے اور آلایش کے نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کیجاتی ہے اور حدیث کی مستند کتاب میں درج ہے مگر اُسے تسلیم نہیں کرتے اور خبر احاد کے زمرہ میں رکھ کے اسکی طرف سے توجہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمارا تو یقین ہے اور قرآن جابجا سے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوئے روح القدس کی گودی میں آپ پاک اور معصوم تھے اور تمام وہ پاکیاں اور تقدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپکو مل چکی تھیں۔ پھر اسکی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپکے دل میں نور بھرتا۔ خدا جانتا ہے اُس ذات اطہر و پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسکی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلےٰ تھا۔ روح القدس وحی۔ الہام۔ یہ سب اُس کے پاس خون میں آمیز ہو رہے تھے وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا۔ اور اپنے کمال انسانی کو ظاہر کرکے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے اور ایسا ساتھ ہے کہ جان کندنی کی سخت ترین حالت میں اُس کا نام مبارک سے لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں ✣

فطرت کی کتاب کو آنکھیں کھول کے دیکھو اور کچھ دیر اُسکا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ایک قوت جو عظیم الشان کرہوں سے لگا کے ذرہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرت کی جو قوت آفتاب کے کرہ میں خرچ ہوتی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف میں آتی ہے؟ اسکا جواب

باسانی ایک بچہ بھی دیکھتا ہے کہ اسمیں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا آفتاب اور ذرہ میں ہے۔ جب فطرت کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجایش نہیں ہے عالم فطرت کی سیر اپنے ناظر تفسیر کو تھوڑی دیر کے لئے کرانا چاہتے ہیں تاکہ اُسے فطرت کے آثار چڑھاؤ معلوم ہو جایئں اور وہ سمجھہ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوتی تھی اور اُس وحی میں جو قریشی نبی پر نازل ہوئی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک اور قطرہ سے لگا کے سمندر تک مدارج قایم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو ۔

جب ہم اُن زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان نئی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں اور ہماری نظر اُن امتیازیہ مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے اُنہیں ودیعت کئے ہیں اُن گوناگون اشکال کا امتحان اُن کی بناوٹ کی جانچ اور اُنکے استعمال کے طریقے سب اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُنکے مدارج اور مراتب جس طرح گوناگون ہیں اُسی طرح اُن کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور ایسی گرد ہیں کہ اُٹھتے بیٹھتے ہمیں اُس سے مفر نہیں یا بالفاظ دیگر ہماری زندگی کا بالکلیہ دار و مدار اُن ہی پر ہے۔ مثلاً جنگل۔ کھیت۔ پانی۔ طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکم خدا یا الہام کا سلسلہ قایم ہے یا کل مخلوق اس وحی سے دم بھر کے لئے جدا نہیں ہو سکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردین بن رہا ہے اُسپر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی کم سے کم عقل بھی خیال کر سکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت و شکل سے ایک لمحہ بھی قایم رہ سکتے ہیں؟ اور آگے بڑھ کے پہاڑوں کو دیکھو تاریک کانوں پر نظر کرو۔ عمیق غاروں میں نگاہ دوڑاؤ سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تو تمہیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دے گا کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ کہیں تو یہ چیزیں تمہیں ایک بے قاعدہ صورت میں دکھائی دیں گی جو پریشان ادھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ ششدر ہونے کے سوا اور کچھہ حاصل نہ ہوگا۔ آخر یہ انتظام کس چیز سے ہو رہا ہے اور کس زبردست قوت نے انہیں اپنے زنجیر میں جکڑ رکھا ہے؟ جواب یہی دیا جائے گا کہ قانون قدرت یا حکم خدا یا وحی یا الہام نے ۔

ایک ناظر جس نے ان قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اُٹھیگا کہ اس کا سلسلہ نا متناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذروں کا سمندر کے کناروں پر مگر وہ ناظر جو فطرت کی کتاب تھوڑی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُن کی علیحدہ علیحدہ تقسیمیں بتا دے گا اور اُن کے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دیگا کہ یہ کیا چیزیں ان کی ہستی کیا ہے۔ قدرت نے اُنہیں کیوں پیدا کیا ہے ان چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور ہزاروں آدمی ان کی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے اُنہیں آدمی کا خدمتگذار قرار دیا اور اُنہیں صرف یہی درجہ عنایت کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں قرآن تو یہی بیان جابجا شدومد سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمتہ نے اس فطری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے۔ اُسکی تعریف ہم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی تھوڑی کہ وہ بذات خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگوں ودیعتوں کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ پھر بھی اُس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگا لیا ہے اور اُنہیں اپنی زندگی کے لئے ایسا کارآمد ثابت کیا ہے کہ بغیر اُسکے چارہ ہی نہیں۔ جب یہہ ثابت ہو چکا کہ ہر شے میں اُسکا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہے کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی۔ اس میں شک نہیں کہ جتنے کام ہوتے ہیں خداوند تعالیٰ اپنی طرف نہیں منسوب کرتا ہے اگرچہ اُس نے اُن کے حدوث کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنے کا شایان ہے حضرت موسیٰؑ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنے رکھتا ہے کہ ہم نے اُس سے کہا کہ نہ تو غم کھا نہ خوف کھا ہم اسے یعنے تیرے بچے کو پیغمبر بنائینگے۔ یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوئی۔ جب اُنہیں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کرینگے تو فوراً خیالات نے اس امر کی طرف عود کیا کہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے بغیر اُس کی مرضی کے پتا تک نہیں ہلتا۔ چونکہ وہی قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس خیال نے اُنہیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی روح القدس

کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ علیٰ قدر مراتب ذرہ سے لگا کے انسان تک کے ساتھ رہتی ہے چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے انہیں یہ قلب مطمئنہ حاصل ہوا جسے خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ ہم بتا چکے شریعت نے جس طرح اُسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی تاہم ابھی یہ دیکھنا ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے جو طریق محدثین اور مفسرین نے بیان کئے ہیں اُس کے کیا معنے ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں +

اوّل وحی بواسطۂ جبرائیل ع

جبرائیل کے معنے خدا کے بندہ کے ہیں مگر زبان شریعت میں اُسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرائیل کسی صورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرائیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ کبھی اجنبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل مسافرانہ صورت بن کے نہایت سفید لباس میں ظاہر ہوکے حضرت رسالت مآبؐ کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام اور ایمان کے معنے دریافت کرنے لگے آپ کے جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہیں اسلام اور ایمان کے معنے سکھانے آئے تھے +

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرائیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخر وقت۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن ماحصل سب کا یکساں ہے اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا مگر نہیں

ہم ہر روایت کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدیل نہیں کرنا چاہتے ہم تسلیم کرتے ہیں
کہ جبریل علیہ السلام طرح طرح کی صورتوں میں وحی لے کے تشریف لاتے تھے نہ صرف وحی لے کے بلکہ معمولی باتیں
سمجھانے کے لئے بھی آپ کا نزول ہوتا تھا مثلاً صحیح ہیں مع جوتیوں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت جبریل
نے فوراً مطلع کیا کہ آپ جوتی اُتار ڈالئے کیچڑ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے فوراً جوتی اُتار ڈالی۔ جب صحابہؓ نے
نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو آپ نے سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اُتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا کہ یا
رسول اللہ آپ کو دیکھ کے آپ نے فرمایا میری جوتی میں چونکہ کیچڑ لگی ہوئی تھی اس لئے جبرائیل نے مجھے آگاہ کیا۔
میں نے جوتی اُتار ڈالی۔ یہ ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گذر کے ہزار وں تک پہنچتی ہے بالکل
صحیح ہیں۔ یہ لیجیے ہر کام کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ادنےٰ کیوں نہ ہو حضرت جبریل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں
جبریل یا ناموس اکبر یا روح القدس کی آمیزش ہو گئی تھی اور آپ کی ذات مطہر و مقدس کی روح القدس
لازم ہو گئی تھی آپ کا روح القدس میں کامل استغراق بلکہ مجسم روح القدس ہو جانا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ بعض
وقت ایک نیا شخص آپ کو مجسم روح القدس معلوم ہوتا تھا اور آپ کی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ
اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسی آدمی کی صورت میں دیکھ لیتے ہوں مسمریزم گویا اسی درجہ یقین کی جو انتہا کو حاصل تھا
الٹا چلتی ہے۔ اور یہ علم کوئی برا نہیں ہے اگر اس سے کوئی برا کام نہ لیا جائے تو بہت سی مفید باتیں
اس سے حاصل ہو سکتی ہیں سلب مرض بآسانی ہو سکتا ہے۔ بغیر دیکھے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی
نہیں ہے جس شخص کو اس فن میں کمال ہو جاتا ہے اُسے مشکل نہیں ہے جس چیز کا خیال کرے وہ اُس کے
آگے مجسم آکے کھڑی ہو جائے اور اُس سے باتیں کرے۔ اُس کی باتوں کا جواب دے اور خود اُس سے
سوال کرے۔ ہمارے نبی معصوم کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے ہم اُسے مانتے ہیں کہ بعض
اوقات غلبہ روحانیت کی وجہ سے روح القدس آپ کو مجسم دکھائی دیتی تھی اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس
کی تائید میں تھے اس لئے انہیں بھی نظر آجانا کچھ بات نہیں کون ہے جو نبوت اور اُسکے راز سے ذرہ بھر بھی
واقفیت رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے اُن تعلقات کو سمجھا ہے جو مخصوص بندہ اور خالق کے درمیان
قائم ہیں معمولی باتوں کو لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرنا اور اُسی سے اپنے ہادی برحق کی تعریف سمجھ
لینی سخت غلطی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے۔ اور ہماری طرح
پرورش پائی۔ ہماری طرح بڑے ہوئے۔ پھر بھی وہ امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہے جس کی بلندی پر ہمارا خیال

نہیں جا سکتا وہ کائنات کا لب لباب روح القدس کے مجسم آنے یا جبرائیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے
وہ خود ہی روح القدس ہے۔ خود ہی ناموس اکبر ہے۔ خود ہی جبرائیل ہے اور خود ہی میکائیل ہے یہ
اُس کی صفتیں تھیں جن کے علیحدہ نام گنائے ہیں ورنہ یہ کل صفتیں اُس ذات میں تھیں جسے محمدؐ کے نام سے پکارتے
ہیں خدا کی خاص صفتیں ہیں جو اُس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں۔ کوئی اُنہیں نہ سمجھے اور اُنکے اٹکل پچو
سمجھنے لگائے یہ اُس کی خوش فہمی ہے۔ کہاں سے یہ تاثیر کسی نام میں (اگرچہ بہت سے پیغمبر گذر گئے اور
بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا) اب بھی وہ نبی اُمّی اپنے روضہ مبارک میں سے کروڑوں بندگانِ خدا
کو کلمۂ توحید پہ قائم رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اُسکے مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت باقی ہے اب
بھی میدان جنگ میں اُسکا پرجلال نام تیغ وسنان کا کام دیتا ہے اے معصوم ہاشمی نبی تیری زندگی بہت
بڑی ہے تو بلاشک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا تو اپنا ثانی آپ ہی ہے ابھی تک ہم تیرے عالی مرتبہ کو
نہیں پہچان سکے ہم اپنی محدود عقلوں اور اپنی بساط کے موافق تیری صفات کی جستجو کرتے ہیں مگر جیسا
ان کا چاہیئے ہم اُنہیں نہیں پاسکتے ✢

دوم وحی بواسطۂ آواز

کبھی جرس کی مانند آپ کو ایک آواز سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد حنبل میں ہے یہ بھی بیان
ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گذرتی تھی۔ خود نبی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت
بیان نہیں فرمائی۔ ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اسکی کئی وجہیں بیان کی ہیں بعض کا بیان
ہے کہ فرشتوں کی پروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں تنبیہ کرنیکے لئے پہلے سے آواز آجاتی تھی
وغیرہ وغیرہ۔ جب خود اُس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبوراً علماء نے اپنی طرف سے
رائے لگادی مگر پھر بھی وہ اُسکی کنہہ تک نہ پہنچ سکے۔ جب انسان کسی خیال میں غرق ہوتا ہے تو اُسے اُسی
رنگ کی نئی نئی آوازیں سنائی دیتیں اور شکلیں نظر آتی ہیں جنکو وہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر اُنکی کیفیت بیان
نہیں کر سکتا۔ شاید روحانیت یا غلبہ روح القدس کی وجہ سے آپکی ظاہری حالت میں تغیر ہو جانا یعنی
نہیں سکتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گذرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی راحت اور
ایک اعلیٰ درجہ کا قلب مطمئنہ حاصل ہوتا تھا اور خداوند تعالیٰ کی لازوال قوتوں کا پورا اندازہ کرکے اُس سے

لذت روحانی حاصل کی جاتی تھی۔ ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق وباد کی آوازیں بھی کلام خدا نہ جاتی ہیں۔ ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلام خدا ہیں بیشک ان کے ذریعہ سے خدا اپنے خالص بندوں سے باتیں کرتا ہے ✣

جس نے اُس کا زخم کھایا ہے اُسے معلوم ہے
تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

موسیٰؑ سے کوئی پوچھے کہ تمہیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا۔ جہاں سے انہوں نے خداوند تعالےٰ سے باتیں کی تھیں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ع حقا این بادہ ندانی بخدا تا نچشی ۔۔ نہیں جان سکتے وہ لوگ جو اس کوچہ سے واقف نہیں ہیں۔ نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنہوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں جانا ظاہر ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھہ معنے لگاتے ہیں اور ہم اُن کے کچھہ معنے سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بیشک آوازیں آتی تھیں اور حقیقت میں وہ خدا کی آوازیں تھیں جو اپنے بندہ سے باتیں کرتا تھا۔ بجلی کی آواز بھی اُسے نیا پیغام پہنچاتی تھی۔ بادل کی گرج اُس کے لئے نئی ہدایتیں لاتی تھی اور آوازیں اسکے اندر سے اُٹھتی تھیں اور جن سے اُس کی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا وہ بھی خدا ہی کی طرف سے۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا۔ اس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پورے غلبہ میں مسموع ہوتی تھی وہ خدا کی طرف سے تھی۔ اور بلاشک خدا اُس سے خود کلام کرتا تھا۔ یہ وہ عجیب معارف ودقایق ہیں جن کی تہ تک پہنچنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے جو کچھہ ہم نے بیان کیا ہے اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے ہمیں اُس نے اسی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اُس کی روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے۔ ہمیں اُس کی مرضی پر چلنا۔ اسی کی مرضی پہ کام کرنا اور اسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے دعا یہ ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اسی کے سایہ اور اُس کی سرپرستی میں عظیم الشان کام انجام دیں ✣

سوم وحی بواسطۂ تجلیات ربانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بحالت بیداری میں وحی نازل ہوتی تھی

اور اُس کی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات ربانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہوجاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرمالیتے تھے۔ اس صورت سے کل اسرار غیبی آپ پر عیاں ہوجاتے تھے جیسا کہ نماز کسوف میں آپ کو یہ بات پیش آئی تھی ؛

یہ بھی بالکل صحیح ہے ہم یہ تو نہیں مانتے کہ نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی اور جسے آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے۔ تجلیات ربانی یعنے روح القدس آپ کی ہمدم و ہمقرین رہتی تھی۔ وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبی نہ عیاں ہوتے ہوں۔ قرآن مجید کی آیتوں یا سورتوں کا بروقت ضرورت نزول اس امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرائیل کی حالت سے علیحدہ نہیں ہوئے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوں۔ جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لئے تمام ربانی تجلیوں کا ہجوم چاہیئے کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پورے ہمقرین ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صدہا برس گذرنے کے بعد ویسا ہی پرزور رہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے ؛

اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپکی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان کے پیدا کرنے کی کیا غایت ہے۔ خود خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرما دیا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یہ ایک بڑا پر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر نے نہیں کی۔ ہم نے وحی کے نازل ہونے میں سلف سے مطلق اختلاف نہیں کیا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کئے ہیں اور

ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مراد لیتے ہیں یا ہیں سب کے ایک ہی سے نتیجے اور سب کا ایک ہی مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں۔ نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علماء نے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغام خدا ایک صورت سے نازل ہونا چاہیے۔ وقتاً فوقتاً اُس کی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا۔ ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔ خداوند اپنی ہزار نزل تریں مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے ساتھ اُس سے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اُس سے بھی تجاوز نہیں ہو سکتا وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق اور فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے ہمکلام ہونیکا ایک نیا قاعدہ ہے اور اُس سے تجاوز ممکن نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی تو روح القدس اُفق پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتی تھی اور اس صورت سے پیغام باری تعالیٰ پہنچاتی تھی اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز نیکے سنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہنکر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نورین کے آنکھوں کے سامنے چکرانے لگتی تھی۔ یہ ساری باتیں تراشی ہوئی ہیں جن کو نزول وحی کے راز سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر بھی اگر ہم ان کل صورتوں کو تسلیم کریں تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسی طرح وحی کے اُس چشمے میں جو ہر وقت قلب محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیات ربانی کی شعاعیں اُس جوش زن چشمہ میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی تھیں جن کی کنہ کو سوائے اُس ذات کے جسکے دل میں یہ چشمہ وحی اُبلتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نہ وہ خود اس کی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کر سکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اُس کی کیفیت غیر محدود پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اُس کا راز ادا ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے۔ کبھی اُسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی۔ اور کبھی تجلیات ربانی کی مثال دیکے سمجھایا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اُن تمثیلوں میں بھی سمجھانا محالات سے تھا۔ نہ خداوند تعالیٰ نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان

فرماویں اور پیں۔ کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبراً مانو اور اُسپر عمل کرو۔ اسکی تائید خود کلام پاک موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے“ کلام کی یہی خوبی ہے کہ وہ خود بخود دل میں گھر کر جاتا ہے اور اُسکے نقش بغیر کسی کوشش کے از خود دل میں بیٹھتے جائیں۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ اسقدر حسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قرآن مجید سے بھی خود اس کی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے ”نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کیجائے۔ یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنے نرم بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالےٰ تھا جس کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تمثیلوں میں بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحبِ وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں مگر جن کی نظر نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں۔ جنہیں نبوت اور اُسکے راز کا اوپری علم بھی ہے اور جو محمدؐ اور خدا کے تعلقات سے واقف ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے۔ ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتا جائے اور اسکی ترکیب دریافت کرنے کی میزبان کو تکلیف دے صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں۔ اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے اس سے بحث نہیں کہ کیونکر پکایا گیا۔ ہاں پکانے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے اسی طرح ہمیں وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھ پہ نازل ہوا ہے اس میں یہ اوامر ہیں اور یہ نواہی ہیں۔ اس کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھ پہ وحی نازل ہونیکا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم کی ظاہری صورت دیکھ کے یہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرما دیا بھی ہو مگر آپ کا وہ فرمانا محض تمثیلی خیال کیا جائے گا۔ حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا۔ جب راحت۔ کھٹاس۔ مٹھاس کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے گی۔ جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ اسی قدر ہے جتنا ہمیں خدا نے آگاہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے ”قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبك باذن الله“ یعنے کہہ جو کوئی

روح القدس کا دشمن ہو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کی طرف سے اتارا ہے" اس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ اُبلتا تھا اس لئے روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا اور ایک آیت سے اس کی تشریح بھی واضح طور پر ہوگئی جہاں خداوند رب العرش ارشاد کرتا ہے یلقی الروح من امرہ علی من یشاء یعنے خدا روح القدس کو جس میں چاہے القا کرتا ہے یا خدا روح القدس کو جس کے پاس چاہتا بھیجتا ہے اس سے یہ بات تو نہیں پیدا ہوئی کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت آکے بلفظہ قرآن سناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کر دیتی تھی آگے آنے والی آیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہورہے ہیں دور ہو جائیں گے چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین وما ہو علی الغیب بضنین وما ہو بقول شیطن رجیم فاین تذھبون یعنے یہ قرآن اُس رسول کریم (یعنے روح القدس) کا کلام ہے جو صاحب قوۃ اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا نبی (محمد) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جائے) اور اُس نے روح القدس کو (اس کی صورت اصلیہ پر) افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن مجید شیطان کا قول نہیں۔ پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدائش سے آپ کے ہمقرین تھی اور آپ کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہوگئی تھی۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے وہ روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا یا بالفاظ دیگر خود آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو افق پر دیکھنا کیا معنے رکھتا ہے اس سے یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ ایک مجسم چیز افق پر ایک بار دکھائی دی اور پھر غائب ہوگئی۔ بلکہ روح القدس کی اصلیت کو بلند دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اعلیٰ درجہ کی روح القدس آپکی ہمقرین بنائی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہم نے لکھا تھا کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے اس کی اس آیت سے شہادت مل گئی۔ افق پر روح القدس کو دیکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی ذات میں جو روح القدس ودیعت ہوئی تھی وہ اعلیٰ درجہ کی اور بلند تھی یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایک جسم قرار دے کے افق پر کھڑا کریں اور

اُن کے بڑے بڑے پر بیان کریں اور اُن کی صورت ایک ایسے خوفناک دیو کی بیان کریں جو ہمارے
مشرقی قصہ نویسوں نے زیادہ تر اپنے فسانوں میں لکھے ہیں ایک کامل نور کامل ہدایت کو ایک ہیبت
ناک جسم میں مقید کرنا یہ ہمارے بعض علماء کرام کا شیوہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کرتے
رب العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمد کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب
قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ روح القدس آپ کی ذات اقدس
واطہر میں بولتی تھی اور اسقدر وابستہ ہو گئی تھی کہ جو کلام آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا اس میں
روح القدس کی تائید ضروری تھی ۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے قل نزلہ الروح القدس من ربک بالحق یعنے تو کہہ اس قرآن
کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔ اسمیں شک کرنا اور اسکی صداقت
میں کلام کرنا سخت نافہمی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کی طرف سے نازل ہوا وہ حق ہے
اور سوائے صداقت کے اس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے
بخوبی ثابت ہو گئی ہوگی زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہاں تک منشاء آیت
کے موافق ہے اور اس کا تطابق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے قوانین قدرت
شاہد ہیں کہ اسلام سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آجانے والا مذہب دنیا میں کوئی نہیں۔ یونانی فلسفہ
کی کسوٹی پر پرکھا تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے انہوں نے ہر طرح سے پرکھا۔
کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادی رائے ہونی چاہئے۔ تعصب اندھا
کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتہ کسے کہتے
ہیں نزول ملائکہ کے کیا معنے ہیں۔ الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے۔ مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی
میں نہیں پہونچے۔ انہوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قائم کیا ہے مثل انسان کے فرشتے آتے
ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں مثل انسان کے جو پیغام سناتے ہیں اس میں آواز بھی ہوتی ہے اور
الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ یہ خیال افریقہ کی وحشی اقوام
کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو ان سے کچھ علاقہ نہیں ہے
یہی وجہ ہے کہ یورپ میں عیسائیت گھٹتی جاتی ہے اور اس کا دائرہ اس قدر تنگ ہوتا جاتا ہے

کہ چند روز میں سوائے قومیت کے عیسائیت کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا +

قرآن مجید اُس شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا جس نے تقلید کا جامہ پہن لیا ہے یا تعصب نے اُسکی عقل کو بیکار کر دیا ہے۔ قرآن میں معجزہ یہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق وہ جواب دیتا ہے اور اُس کا اطمینان کر دیتا ہے جسقدر گہری نظر کرتے جاؤ گے نئے نئے مطالب حاصل ہوتے جائینگے اور وہ وہ باریکیاں نکلیں گی جو دیدہ ہوں نہ شنیدہ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص مفسر پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اُس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اُس سے اچھی بات بھی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے ہو نہیں سکتا۔ غیر جانبدارانہ طور پر توریت اور انجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو تو ایک عظیم فرق پاؤ گے۔ توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرت ملیں گی جنہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائیں گی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اُس نے منہ کی کھائی اور سخت خفت اُٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے ادق مضمون تھے مگر قرآن مجید نے ایسے حل کئے کہ ایک حکیم سے لگا کے ایک بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن مجید کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے پڑھنے والے اگر پیچیدگی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اُن کی عقل کا قصور ہے۔ اس کی بالکل یہی مثال ہے کہ

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہاں تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی اب دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے۔ یہ بحث ہمارے علمائے کرام کی بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پرستی کرتا ہو اور اُس کے دین اور دینی عقاید کا دار و مدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو۔ ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوتی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بھی کام لیا جاتا ہے وہ ہماری بحث کو سمجھے گا بھی اُس سے لطف بھی اُٹھائے گا اور ممکن ہے کہ اُسے کچھ فائدہ بھی ہو۔ چنانچہ وہ بحث یہ ہے +

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو یعنے قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنے حدیث قدسی یا سنت - یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی آمیزش سے خالی نہ ہوتا تھا اور جو کچھ آپ کے دل میں القا ہوتا تھا اُسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہ ہوں - چونکہ اُن احادیث کا طرز کلام قرآن کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کھاتا اس لئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اُس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لئے جدا جدا نام ٹھہرا دیئے ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنے سنت اور حدیث قدسی کہا - اب یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس ہم بر آپ کے ہمراہ ہوتی تھی اور ہر وقت آپکی زبان سے بولتی تھی غرض جو کلام آپ فرماتے تھے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بھی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے - اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چھپاں ہی نہیں ہوتے اسکا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں ہے بلکہ ایک بڑا گروہ علماء کا اس طرف گیا ہے الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگرچہ مطلب کچھ نہ کچھ ہونا ممکن ہے - چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے - یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضور انور نے تمام زندگی میں جتنی باتیں کیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے وہ سب اسی شان اور عظمت کے تھے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کے قلب پر کامل غلبہ اسی وقت ہوتا تھا جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کرلو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اُسکے قلم سے نکلتے ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو اُسکی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب اور شان میں بہت بڑا فرق ہوگا - کبھی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اُس تقریر سے مطابق ہو جائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی ہے - اگرچہ ہمیں بولنے کی مشق ہو پھر بھی بہت بڑا فرق ہوگا - یہ مثال اگرچہ بہت

ادنے مثال ہے پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن کی زبان میں اور حدیث کی زبان
میں کیوں بہت بڑا فرق ہے۔ فرق تو فرق کچھ نسبت ہی نہیں ہے۔ اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے
اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالت مآب تک یکساں رہا یا کچھ بدلا گیا۔ قرآن مجید سے تو صریح طور پر
یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ اور تھا اور حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدل
گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ لیکن اب اسے ہم
بالتفصیل لکھتے ہیں۔ انبیا پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ دراصل اس القا کا (جو خدا کی طرف سے روح
القدس کے ذریعہ سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی) مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ روح
القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہ ہوتی تھی۔ توریت اور انجیل میں خدا کو متکلم کہیں نہیں بتایا گیا ہے مگر
قرآن مجید میں خدا ہر جگہ متکلم بتایا گیا ہے۔ بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک
قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ سے آئیں اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ درحقیقت یہ کلام خدا ہی ہے۔
یہ اعتراض اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی
کیونکر القا ہوتی تھی اس لئے کہ توراۃ اور انجیل حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے کئی صدی بعد لکھی
گئی ہیں۔ جس طرح مسلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح توریت و انجیل کے قصص جمع ہوئے پھر
بھی غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع و تنقید میں بہت بڑا اہل ہے۔ ہمارے ہاں اسماء الرجال
گویا صحیح اور غیر صحیح پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ مگر توریت و انجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اس وقت
تک ایجاد نہیں ہوئی۔ ہمیں یہاں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت
موسیٰ یا حضرت عیسیٰ جو کلام خدا فرماتے تھے اگر اسی وقت لکھ لیا جاتا تھا تو ضرور اس پر غور
کیا جاتا اور جب کلام خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اس میں کلام ربانی کی شان ہی کیونکر
پائی جا سکتی ہے۔ ہم اس بحث کے بعد یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علماء نصاریٰ کا خیال ہے وہ صحیح ہے
جیسا کہ بیوسوبل اور لیافات صاحب لکھتے ہیں "روح القدس نے جن کی تعلیم اور مدد سے
انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے ان کے لئے کوئی زبان نہیں ٹھہرا دی تھی بلکہ اس نے ان کے
دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچا لیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ
اور عبارت میں اسکو ادا کرے اور جیسے ہم ان پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کے موافق ان کتابوں

میں فرق پاتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے باہر ہوگا ۔ متی ۔ لوقا ۔ پال ۔ اور یوحنا کے محاورے میں فرق پائیگا ۔ اگر یسوع القدس حواریوں کو عبارت بتا دیتی تو یہ بات ہرگز نہ ہوتی بلکہ اس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر ایک کا محاورہ علیحدہ ہوتا" اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا ۔ دوسرے یہ بھی ہدایت کر دی کہ اپنے محاورے کے مطابق اسے بیان کرنا اس سے یہ معنے ہیں کہ اگر روح القدس چاہتی بھی تب بھی صدہا برس پیچھے صدی کی گذشتہ باتوں حواریوں اور انجیل نویسوں کے دلوں میں القا نہیں کر سکتی تھی ۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہو گیا کہ بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا انبیاء علیہم السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مانیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور انبیاء سے بہت اعلے ہے کہ روح القدس کلام خدا آپ میں القا بھی کرتی تھی اور اس کی عبارت بھی بتا دیتی تھی اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو پادری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قایم نہیں رہتا ۔

اسکے بعد اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم کرلیں کہ سوائے محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے انہیں الفاظ اور عبارت نہیں بتائی جاتی تھی اور پھر اخیر میں یہ طریقہ بدل دیا گیا ۔ تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب خدا کی حجت پوری ہوئی اور اس نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہیں بتائے تھے بہت کچھ اس میں تبدیلیاں پیدا کر دیں اور جس نے جو کچھ چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اس اثناء میں سلسلہ نبوت برابر جاری تھا اور اخیر میں نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا اس لئے یہ حکمت الہی تھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سان و گمان بھی نہ رہے سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا (کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے الفاظ میں ڈھلکے اور نئے نئے محاوروں میں آنے کے لازمی ہے) تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت واقعی ہوتی تاکہ وہ بتائے کہ کلام خدا میں یہ تحریف ہوئی تھی ۔ اور جب خدا کو سلسلہ نبوت ہمارے معصوم و برحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمہ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونے کی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی اور ہر ہر لفظ پر مہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور

اُس کی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اُس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا جو آسمان پر ستاروں سے الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراضوں کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظہ کیا اور لفظاً بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سنایا اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اُس وحی کو کہتے ہیں جس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے ادنےٰ ہے اسی بناء پر مسلمان مفخر انبیا حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحب وحی متلو سمجھتے ہیں ❊

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القا سے وحی کی تبدیلی تکذیب نبوت پر اپنے دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کو خلاف عادت کیا ضرور تھا جیسا کہ عیسائیوں کا دین ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے مر کے زندہ ہوئے اور پھر مع جسم آسمان پر اُٹھا لئے گئے اس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی۔ اب جو جواب پادری صاحب اس امر کا دیں گے وہی جواب مسلمان طریقہ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیدیں گے ❊

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظر تقیر کی تسکین کے لیئے بہت کافی ہوگی وہ اس تمام بحث کو بغور پڑھ کے سمجھ جائے گا کہ ہمارے نبی معصوم و برحق خود مجسم وحی تھے آپ کے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح القدس کے ذریعہ سے اُبلتے تھے۔ آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے۔ بلکہ روح القدس بولتی تھی آپ در اصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح القدس کلام کرتی تھی قرآن مجید خود اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے کل مذاہب سے کنارہ کر لو اور پھر غیر طرفدارانہ قرآن پر غور کرو تو تمہیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائی دے گا۔ یہ کتاب جیسی پر اثر ہے ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کے ایک ایک جملہ میں ایک زندہ روح ہے جس کی قوت تیرہ سو برس سے جوں کی توں باقی ہے زمانے بدل گئے مذاق بدل گئے خیالات بدل گئے۔ مگر اُس کے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہ قایم ہیں اور کسی کو جرات نہیں ہو سکتی کہ ذرا بھی سوء ادبی سے اُس کی طرف

دیکھو سے جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب انکے قول کے مقابلہ
میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالی قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے تو پھر اُن میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا
اور وہ اپنی سلامتی خاموشی میں دیکھتے ہیں۔ ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت
کر رہی ہے اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا
فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بوسیدہ دکھائی دیگی اور جگہ جگہ طوائف الملوکی یعنے
مذہب کے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی اور جب اور غور کروگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ
قرآن کی حکومت میں اب بھی دم خم باقی ہے اور جو رعب اُس کا ایک غریب شخص پر ہے وہی
شہنشاہ بحر و بر پر ہے۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح حرارت اور قوت پائی جاتی ہے اور اُس کا
سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور انجیل وحی غیر متلو یعنے اُس کے الفاظ بھی روح
القدس کے الفاظ ہیں اور انجیل کے الفاظ روح القدس کے الفاظ نہیں ہیں ۞

اے انبیا کے سچے محسن تیری شان برتر و اعلیٰ ہے تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے۔
بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے۔ اب بھی روح القدس اُس میں اُسی روحانیت سے موجود
ہے اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی
ہے اے ہادی برحق تو اب بھی ہم میں وعظ فرماتا معلوم ہوتا ہے جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے
تو تیری موجودگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھنچ جاتا ہے۔ کچھ تو ہے جس کا یہ اثر ہے اور
کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسی میں سب کو جکڑ رکھا ہے اے قریشی نبی تیری ہی کتاب
کی رہنمائی سے تجھے پا سکتے ہیں اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔ اختلافات
نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیرا اور تیری کتاب کا اے امی نبی ہر فرقہ وہی احترام کرتا ہے
تیری روشن کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت چشم زدن میں ہزاروں اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔
کیوں نہ ہو تو رب العرش کا سچا پیغمبر ہے اور تیری کتاب روح القدس کی تائید سے ترتیب دی گئی ہے

تمام شد